Research Journal
Tahqeeqat

eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334

ریسرچ جرنل
تحقیقات

نسلِ نو: جذبہ شکست خوردگی اور اقبال

New Generation: The spirit of defeat and Iqbal

Asfa Akbar
PhD Scholar, Department of Iqbal Studies,
The Islamia University of Bahawalpur
Dr. Muhammad Asghar Sial
Assistant Professor, Department of Iqbal Studies, The
Islamia University of Bahawalpur

عاصفہ اکبر
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اقبالیات، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور
ڈاکٹر محمد اصغر سیال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اقبالیات، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

Abstract

This research paper delves into the intellectual legacy of Allama Dr. Muhammad Iqbal (1877–1938) and his efforts to chart a course for the rejuvenation of Indian Muslims, who were facing a period of decline, despair and intellectual stagnation. Iqbal, through a comparative study of Eastern and Western civilizations, identified the key reasons for the socio-political and spiritual defeat of Muslims, particularly in the context of British colonial rule and the broader global trends of materialism and secularism. His philosophy centers on the development of "Khudi" (selfhood) and spiritual consciousness as tools to inspire self-confidence, unity, and intellectual revival among the youth. This paper critically examines the causes of Muslim decline from Iqbal's perspective, taking into account historical, social and religious factors. Moreover, Iqbal's proposed solutions—rooted in a return to Islamic values, creative thought and social reform—are presented as a pathway for overcoming the challenges facing the Muslim world. The study highlights the relevance of Iqbal's ideas in contemporary times, offering a philosophical and practical framework for the revival of Muslim communities through self-realization and empowerment.

Keywords: *Allama Iqbal, Muslim decline, Khudi, revival, spiritual consciousness, Muslim youth*

کلیدی الفاظ: علامہ اقبال، مسلمانوں کا زوال، خودی، احیا، روحانی شعور، مسلم نوجوان

موضوع کا تعارف:

جب کوئی بھی جسمانی بیماری، چاہے وہ معمولی ہو یا غیر معمولی انسانی جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے تو جسم کا ہر عضو اس سے متاثر ہوتا ہے۔ بیمار انسان معمولی سی حرکت کرنے سے بھی قاصر رہتا ہے بالکل اسی طرح روحانی بیماری بھی جب انسان کے وجود میں داخل ہوتی ہے تو وہ نہ صرف سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو متاثر کرتی ہے بلکہ پورے جسم کو مفلوج کر کے ہی دم لیتی ہے۔ جسمانی بیماری سے ہونے والا مرض تو ایک انسان کو نقصان دیتا ہے جب کہ روحانی بیمار انسان پوری انسانیت کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ جس کی بروقت تشخیص نہایت ضروری ہے۔ ہر بیماری اپنے ساتھ کچھ نشانیاں لے کر آتی ہے۔ جس سے اس کی تشخیص کی جاتی ہے اور اسی تشخیص کی بنا پر، طبیب اس کا علاج کرتا ہے۔ بیماری جتنی پرانی ہوتی ہے علاج کے وقت اتنی ہی زیادہ تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے بالکل اسی طرح، شکست خوردگی بھی ایک ایسی روحانی بیماری ہے جو نسلِ نو میں سرایت کر جائے تو اس قوم کے مستقبل پر سوالیہ نشان لگا دیتی ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی زوال پزیری نے اسلامی دنیا کو بہت متاثر کیا ہے۔ ماضی و حال کے مختلف ادوار میں مسلمان بھی اس بیماری کا شکار رہے ہیں۔ یہ تحقیق علامہ اقبال کے خیالات کی روشنی میں ان اسباب کا جائزہ پیش کرتی ہے جو مسلمانوں میں شکست خوردگی کا باعث بنے تاکہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کو بہتر بنایا جا سکے اور ان اسباب کے حل پر روشنی ڈالی جا سکے۔ اس سے پہلے اس موضوع پر جتنی تحقیقات ہوئیں ان میں مختلف نظریات پیش کیے گئے کسی نے تاریخی اسباب تو کسی نے سماجی اور فکری اسباب کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ مسلمانوں کی حالت زار پر علامہ محمد اقبال نے اپنی شاعری اور نثر میں اس پر روشنی ڈالی ہے اور ان کے ممکنہ حل کے بارے میں بھی بتایا ہے۔

OPEN ACCESS HEC DRJI ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE اشاریہ اردو جرائد EuroPub

تحقیقاتی سوالات:

وہ کون سے اہم تاریخی اسباب ہیں جو مسلمانوں کی شکست خوردگی کا باعث بنے؟

مسلمانوں کی حالت زار کو اقبال نے کس طرح بیان کیا ہے؟

مسلمانوں کو شکست خوردگی سے بچانے کے لیے اقبال کے پیش کردہ خیالات کون سے ہیں؟

طریقہ کار:

دستاویزی طریقہ کار اختیار کیا جائے گا نیز اقبال کے کلام کے ساتھ ساتھ دیگر ماخذات سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

نتائج: نسلِ نو میں جذبہ شکست خوردگی کا تعلق بیرونی عوامل کے ساتھ ساتھ اندرونی کمزوریوں سے بھی ہے۔

تاریخی اسباب:

مسلمانوں میں شکست خوردگی کے تاریخی اسباب جاننے کے لیے اس کے مختلف پہلوؤں کو جاننا نہایت ضروری ہے:۔

(الف) سیاسی عدم استحکام:

مسلمانوں کی شکست خوردگی کی اہم وجہ سیاسی عدم استحکام ہے جس نے داخلی اور خارجی دشمنوں کو مواقع فراہم کیے کہ وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں۔ مسلم حکومتیں سیاسی عدم استحکام کا شکار رہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے وصال مبارک کے بعد اقتدار کی نا مختتم جنگ شروع ہوئی جیسا کہ اس وقت کا سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ خلیفہ عوام چنیں گے یا عالم؟ یہ دونوں مسائل حل نہ ہوئے۔ خلیفہ کے چناؤ کے لیے کوئی لائحہ عمل ترتیب نہیں دیا گیا۔ فقیہوں نے اس بات پر زور دیا کہ خلیفہ کے اندر درج ذیل خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہوں مثلاً بہادر، انصاف کرنے والا، عقل و دانش مندی رکھنے والا ہو لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بحث بھی چھڑ گئی کہ خلیفہ کو اچھے خاندان، حسب و نسب کا اور شریف النفس ہونا چاہیے لہٰذا اس کا تعلق رسول خدا کے خاندان سے ہو۔ جس سوچ نے امامت کے طرز فکر کو تقویت دی وہ یہ تھی کہ خلیفہ اللہ بناتا ہے اور اس نے اسلام کا تحفظ کرنا ہوتا ہے کچھ نے کہا کہ خلیفہ کو عالم ہونا چاہیے اور اس کا انتخاب بھی عالم ہی کریں گے یوں مختلف لوگوں نے مختلف آراء پیش کیں۔ ان سب آراء میں کسی نے بھی یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ خلیفہ میں یہ تمام خوبیاں کیسے پیدا ہوں گی یا جس شخص میں بھی یہ خوبیاں پائی جاتی ہوں گی تو اسے کیسے مسندِ خلافت تک لایا جا سکتا ہے؟ حکومت کی اس سوچ نے مسلمان حاکموں اور فقہا کو مجلسِ شوریٰ تک ہی محدود رکھا اور وہ اس سے آگے کچھ سوچ ہی نہ سکے۔(۱)

اس کے ساتھ ہی بادشاہت کو امور سلطنت میں شامل کر لیا گیا حالاں کہ اسلام ہرگز بادشاہت کی اجازت نہیں دیتا۔ مسلمان اس بادشاہت کے نظام سے آج تک نہیں نکل سکے۔ بادشاہت کے اصول تو اپنا لیے گئے، چاہیے تو یہ تھا کہ وراثت کے اصول بھی بنا لیے جاتے مگر انھوں نے کبھی بھائی تو کبھی بیٹے کو مسند خلافت پر بٹھایا۔ اسلامی طرز فکر میں اہل اور قابل شخص ہی مسند خلافت پر بیٹھتا ہے مگر اسلامی طرز فکر کی دھجیاں اڑا دی گئیں اور موروثی بادشاہت کی ابتداء ہوئی۔ بادشاہی نظام میں بادشاہ ایک مجلس شوریٰ بناتے اور اسی سے مشورے طلب کرتے تھے۔ بادشاہ کی مرضی ہوتی تو کسی مشورے کو قبول کرتا ورنہ اسے رد کر دیتا۔ ملوکیت اور موروثیت کی گود میں پل کر شہنشاہیت نے ایسا روپ دھارا کہ جو خلیفہ عوام کے حقوق کا رکھوالا بنتا اس نے بادشاہی مزاج اور مطلق العنانی کا رویہ اپنا لیا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں سیاسی ترقی محدود ہو گئی اور اسلامی مساوات ختم ہو گئی۔ جب نئی اقوام نے اسلام قبول کیا تو ان کو عربوں کے برابر درجہ نا ملا، الٹا ان پر ٹیکس مثلاً خراج، عشر، زکوٰۃ اور جزیہ لگا دیے گئے۔ فتوحات کے خاتمے کے ساتھ ہی مال غنیمت ختم ہو گیا۔ سپاہیوں کو تنخواہیں دینے سے ریاست پر مالی بوجھ بڑھ گیا جس کو پورا کرنے کے لیے

حکومت وقت جزیہ لگا دیتی۔ ٹیکسوں سے حکومت چل رہی تھی جس کی وجہ سے خوشحالی کے ادوار یعنی تجارت اور کاشتکاری میں بڑھوتری ہوتی تو ٹیکس سے وصول ہونے والی آمدن زیادہ ہوتی ورنہ جنگوں اور بغاوت کے ایام میں بہت سے علاقے ویران ہو جاتے۔

شاہ جہاں (۱۵۹۲ء۔۱۶۶۶ء) کے دور میں فوجی اور درباری اخراجات زیادہ ہوتے گئے مگر بادشاہ اپنی دولت ثقافتی سرگرمیوں میں لٹاتے رہے۔ زراعت کی طرف توجہ نہیں دی گئی حالاں کہ ان کی دولت کا انحصار زراعت پر تھا۔ اورنگ زیب کے دور حکومت میں معاشی بحران ظاہر ہوا۔ معاشی بحران کو حل کرنے کے لیے اس نے ہندوؤں پر جزیہ دوگنا کر دیا گیا جس کی وجہ سے ہندوؤں اور سکھوں نے بغاوت کا اعلان کر دیا۔(۲)

عباسیوں کے دور (۷۵۰ء۔۱۲۵۸ء) میں ایک خاص علاقے کے زر خرید ملازموں کو عسکری تربیت دی گئی۔ یہ ملازم جن کا تعلق نہ عوام سے تھا نہ حکومت وقت سے، انھوں نے کسی سے بھی وفاداری نہ نبھائی۔ کبھی خود مختار ہو جاتے تھے تو کبھی خلیفہ وقت کے زیر سایہ کام کرتے یوں اسلامی سلطنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اس طرح مسلمان اتحاد کی برکتوں سے محروم ہوتے چلے گئے آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے بیرونی حملے بڑھ گئے۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے حملے نے مغلیہ سلطنت کو تباہ کر دیا۔ مطلق العنانی رویے اور قدامت پسندی سے رعایا میں انتشار پھیلا جس کی وجہ سے مغلیہ سلطنت زوال کا شکار ہوئی۔ رشوت خوری بھی سیاسی عدم استحکام کا باعث بنی۔ سلطنت عثمانیہ میں رشوت خوری کا بازار سرگرم تھا جس کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد حکومت پر ختم ہوتا گیا۔

(ب) تعلیمی زوال:

مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں جہاں سیاسی عدم استحکام کو اولین درجہ حاصل ہے وہاں ایک سبب تعلیمی میدان میں پیچھے رہ جانا بھی ہے۔ اسلام نے علم حاصل کرنا مرد اور عورت دونوں پر فرض قرار دیا ہے۔ اسلام کے نزدیک عالم کو عابد پر فوقیت حاصل ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں نہ صرف تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی بلکہ حکومت وقت نے حصول علم کے لیے دانشوروں کی سرپرستی بھی کی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کو بطور خاص حصول علم کے لیے وقف کیا گیا جس کے لیے انہیں معاشی الجھنوں سے دور رکھا گیا۔ خلافت سے ملوکیت کی تبدیلی نے تعلیمی سرپرستی کو بھی ختم کر دیا۔ بادشاہت کے مطلق العنانی رویوں نے دانشوروں کو باغی سمجھا۔ دانشور کی نگاہ چونکہ مستقبل کے حالات پر ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اختلاف رائے رکھتا ہے۔ خلافت کی بادشاہی نظام حکومت میں تبدیلی کی وجہ سے اختلاف رائے کی اجازت نہیں تھی یوں اختلاف رائے کو گستاخی سمجھا گیا اور دانشوروں کو سخت سے سخت سزائیں دی گئیں۔ اسلامی نظام حکومت میں بادشاہی نظام حکومت مضبوط ہوتا گیا جس کی وجہ سے رعایا سے فکر و عمل کی آزادی چھین لی گئی۔ بادشاہوں نے اجتہاد کرنے والوں کو بہت تنگ کیا تو کچھ مسلمان مفکرین نے تنگ آکر سپین کا رخ کیا تو کچھ نے بادشاہ کے ڈر سے علم حاصل کرنا چھوڑ دیا، کچھ نے علم کو بادشاہ کی مرضی کے مطابق ڈھال لیا۔ بادشاہ کی مرضی کے مطابق فتوے لکھے جاتے تھے۔(۳)

سپین کی طرف رخ کرنے والے مسلم دانشوروں نے سپین کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ جن مسلم سائنسدانوں اور مفکرین نے تاریخ رقم کی ان میں ایک نمایاں نام ابن رشد (۱۱۲۶۔۱۱۹۸م) کا ہے جس نے فلسفیانہ تحریریں مرتب کیں۔ وہ فلسفی، فقیہ اور طبیب تھا۔ اس نے ارسطو کے کام کی تشریحات لکھیں جس نے یورپ کے علمی حلقوں میں اپنی الگ پہچان بنائی۔ ان تمام مفکرین اور سائنسدانوں نے یورپ کی ترقی میں انقلاب برپا کر دیا مگر برعظیم میں علم کو کبھی اہمیت دی ہی نہیں گئی۔ عسکری اعتبار سے مسلم حکمران بہت منظم تھے مگر پیشہ ورانہ تربیت کے حوالے سے کسی قسم کا ادارہ نہیں بنایا گیا۔ تاریخ، ادبیات، سائنس وغیرہ کے لیے کسی قسم کے ادارے نہیں بنائے گئے جس کی وجہ سے مسلمان تعلیمی میدان میں

غیر ممالک اقوام سے کہیں پیچھے رہ گئے۔ بادشاہی مطلق العنان رویہ کسی قسم کے دانشور کو برداشت نہیں کرتا تھا۔ خود سری، خود پسندی، ضد، انا پرستی، اور تکبر نے مسلمان حکمرانوں میں ایسی سرائیت کی کہ ان کے اقتدار کی نیاڈبو کے چھوڑی۔ جہانگیر کو سب سے زیادہ علم سے محبت اور لگاؤ کا حامی سمجھا جاتا تھا مگر اس نے بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کو دربار میں بلایا اور سجدہ کرنے کا حکم دیا۔(۴)

صوفیائے کرام یوں تو دینی تعلیم دیتے رہے لیکن تاریخ و فلسفہ سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی۔ سائنسی علم کے بارے میں کسی کو آگاہی نا تھی یوں سائنسی علم، فقہ، تاریخ اور فلسفہ میں مسلمان پیچھے رہ گئے۔ بادشاہ چاہتے تھے کہ ایسے عالم ہوں جو شہنشاہیت کی تاریخ، شعر و ادب اور فن تعمیر پر کتابیں لکھیں اور ایسا ہی ہوا صرف انہیں موضوعات پر مواد لکھا گیا جن سے بادشاہ خوش ہوتے تھے۔ سات سو برس کے اس مسلم بادشاہی دور حکومت میں ورثے میں سوائے فارسی کتب، فتاویٰ عالمگیری اور غلط روایات کے کچھ نہ ملا۔

بادشاہ عوام کو جاہل رکھنے میں سکون محسوس کرتے تھے کیوں کہ ایک جاہل انسان حاکمیت کا بوجھ آسانی سے اٹھا سکتا ہے۔ غرض رعایا سے علم اٹھا لیا گیا یوں جہالت مسلمانوں کی پہچان بن گئی۔ آئے روز کے بیرونی حملوں مثلاً منگولوں کی وجہ سے تعلیمی مراکز کو کافی نقصان پہنچا۔ تعلیمی مراکز ختم ہونے سے علمی سرمایہ ختم ہو گیا۔

یورپ میں سولہویں صدی تک سائنسی انقلاب برپا ہوا جس نے ماحول پر ان کی گرفت کو مضبوط کیا ایسی گرفت جو انہیں پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ جہاز رانی، طب، صنعت وزراعت کے میدانوں میں نئی نئی دریافتیں ہوئیں۔ ایک دریافت نئی دریافت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ترقی کا عمل بڑھ رہا تھا۔ اسی وقت یورپیوں کو محسوس ہوا کہ وہ فطرت کو بھی بدل سکتے ہیں۔ جہاں برِ عظیم کا روایت پسند معاشرہ اس ترقی کو ہضم نہیں کر پا رہا تھا وہاں امریکہ اور یورپ کے لوگ ترقی کی توقع کے ساتھ سرمائے کو کاروبار میں لگا رہے تھے۔ ٹیکنالوجی کے اس فروغ کی وجہ سے صنعتی انقلاب برپا ہوا۔ وہ لوگ مذاہب اور زرعی معاشرے کی طرح ماضی کی بجائے مستقبل میں جھانکنے کا حاصلہ لیے بیٹھے تھے۔(۵)

برعظیم میں برطانوی دور حکومت قائم ہوا تو علم کی تقسیم ہوئی۔ دینی علوم مسلمانوں کے پاس ہی رہنے دیا گیا جبکہ تاریخ، فلسفہ، سائنس، جغرافیہ، انتظامیہ، قانون، عسکری تربیت انگریزوں کے حصے میں آئے۔ یہ علوم انگریزوں کے پاس جانے سے ان علوم کو سیکولر علوم گردانا گیا۔ سیکولر علوم کو حاصل کرنا اسلامی تعلیم کے خلاف سمجھا گیا۔ انگریزی زبان سیکھنے کے خلاف جہاد کیا گیا۔ برِ عظیم کے اس دور کا مقابلہ یورپ سے کیا جائے تو جب یورپ تعلیمی ادارے تعمیر کر رہا تھا اس وقت برِ عظیم میں مقبرے و مساجد تعمیر ہو رہی تھیں۔(۶)

برِ عظیم میں اس وقت مدرسے کھولے جا رہے تھے اسلام کی صحیح تشریح کو مسلمانوں کی ترقی کا ضامن سمجھا جا رہا تھا۔ سائنسی علوم پر کسی نے دھیان نہیں دیا۔ مغرب کی ترقی کو دیکھ کر بعد میں سائنسی علوم کے فائدے نظر آئے۔ سائنسی علوم کو سیکھا بھی گیا مگر مسلمانوں کا یہ طریق کار غلامانہ تھا۔ یہ صرف مغربی تقلید تھی اس میں جدت فکر کا فقدان تھا۔ اس دور میں جس مفکر نے بھی جدت فکر کی بات کی اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ جس وقت یورپ میں پریس ایجاد ہوا تب بھی برِ عظیم میں پریس کی طرف دھیان نہیں دیا گیا اور نہ ہی سستی کتابیں کر کے تعلیم عام کرنے کا خیال آیا۔ ادھر سلطنت عثمانیہ میں پریس کو اسلامی کتابوں کی اشاعت کے لیے استعمال کرنے کی شدید مخالفت کی گئی۔(۷)

یورپ میں صنعت و حرفت کی ترقی نے اسے نئی قوت کا احساس دیا جس کی وجہ سے یہ اقوام پوری دنیا کو فتح کرنے کے منصوبے بنانے لگیں۔ فتح کے احساس نے مغرب میں انتظامیہ اور عسکریت کی نئی حکمت عملی تیار کی۔ مسلمانوں میں کمزور انتظامیہ کا بحران پیدا ہوا جس کا فائدہ مغربی اقوام نے اٹھایا اور ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ مسلمان ان کے بنائے ہوئے جدید انتظامی نظریات کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ایران روس اور انگریزوں کی بڑھتی ہوئی چپقلش کا شکار رہنے کی وجہ سے صنعتی میدان میں پیچھے رہ گیا۔

دنیا میں بدلتے ہوئے معاشی نظام کو نظر انداز کر دیا گیا جس کے نتیجے میں مسلمانوں میں معاشی بحران پیدا ہوا نیز بحری راستوں پر مغربی اقوام نے قبضہ کر لیا یوں تجارت عربوں اور ترکوں کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ مغربی اقوام تجارت کے مالک بن گئے اور دولت یورپی ممالک میں اکٹھی ہونا شروع ہو گئی۔

اقتصادی علوم میں مسلمان پیچھے رہ گئے نئے اقتصادی مسائل ان کی سمجھ سے بالاتر تھے جب سلطنت عثمانیہ میں چاندی وافر مقدار میں ہو گئی اور سکے کی قیمت گری تب بھی اس مسئلے کے حل کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔

(ج) سماجی تفریق: مسلم زوال کے تاریخی اسباب میں سماجی تفریق مختلف اشکال میں ظاہر ہوئی جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

الف: طبقاتی فرق

ب: نسلی امتیاز

ج: فرقہ واریت

الف: طبقاتی فرق:

طبقاتی تفریق بھی مسلمانوں کے زوال کا سبب رہی ہے۔ عوام میں غربت اس قدر تھی کہ لوگ بھوک کی وجہ سے مر رہے تھے مگر ادھر حکمران طبقہ اپنی عیاشیوں پر دولت لٹا رہا تھا۔ غریب لوگوں کی مدد تو دور الٹا مسلم حکمرانوں نے ٹیکس اور رشوت خوری کا بازار سر گرم کیا ہوا تھا یوں حکمران طبقہ اپنی عیاشیوں بھری زندگی میں مست ہو کر رعایا کو بھول بیٹھا تھا جس کی وجہ سے رعایا اور حکمرانوں کے درمیان فاصلے بڑھتے گئے۔ حکمران طاقت کے زور پر عوام کو زیر کرتے رہے جس کی وجہ سے بغاوتیں جنم لیتی رہیں جس کے نتیجے میں ملک داخلی انتشار کا شکار ہو جاتا تھا۔ رہی سہی کسر زمینداروں نے پوری کر دی۔ زمیندار طبقہ عام عوام کو اجرت کم اور محنت زیادہ کرواتا تھا۔ غریب کے پاس تعلیم، علاج معالجے کے پیسے نہ ہوتے تھے جبکہ حکمران طبقہ مہنگے تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتا چلا گیا۔ ملکی ترقی نہ ہونے کے برابر تھی یوں معاشرتی پسماندگی کا سامنا کرنا پڑا۔

عدلیہ کے نظام کی شدید کمی کا سامنا ہونے کی وجہ سے معاشرتی ناانصافی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ امراء کو نرمی حاصل تھی جبکہ غریبوں کے لیے قانون سخت تھا۔ انصاف کہیں نہیں تھا جس کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا۔

ب: نسلی امتیاز:

مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سے اہم سبب نسلی امتیاز بھی تھا۔ اسلامی معاشروں میں نسلی امتیاز اور کمزوری کو جنم دینے والی بڑی وجہ بھی نسلی گروہوں کے درمیان اختلافات اور جھگڑے تھے۔ خلافت عباسیہ میں غیر عربوں کو بڑی بڑی مراعات اور عہدے دیے گئے جس سے داخلی اختلافات نے جنم لیا۔ ترکوں نے فارسیوں پر غلبہ پایا۔ فارسیوں اور ترکوں کے درمیان ثقافتی اور نسلی اختلافات شدت اختیار کر گئے تھے جس کی وجہ سے داخلی انتشار پھیلا اور سلطنت عباسیہ زوال پذیر ہوئی۔ اسی طرح برِ عظیم میں بھی نسلی امتیاز مسلم حکمرانوں اور ہندوؤں کے مابین موجود رہے۔ مقامی افراد کے ساتھ غیر مساوی سلوک اور نسلی امتیاز کی وجہ سے بغاوت اور مخالفت پیدا ہوئی۔ اندلس میں زوال کا سبب بھی مسلمانوں، ہسپانوی مسلمانوں اور عرب کے درمیان نسلی امتیاز تھا جس نے مسلم اتحاد کی جڑیں کھوکھلی کر دیں اور یوں مسلمان زوال کا شکار ہو گئے۔

ج: فرقہ واریت:

مسلم زوال کے اسباب کی ایک وجہ فرقہ واریت بھی ہے۔ فرقہ واریت کا مطلب فکری، سیاسی و مذہبی مسائل پر اختلافات ہونا۔ اختلافات کی بنا پر مختلف فرقوں میں تقسیم ہو جانا۔ فرقہ واریت نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ مسلم معاشرے میں فرقہ واریت پیدا ہونے کی چند وجوہات ہیں جن میں سے ایک سیاسی اختلافات بھی ہیں۔ مسلم تاریخ میں فرقہ واریت کی ابتدا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہوئی، حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان سیاسی اختلافات نے فرقہ واریت اور ملوکیت کو جنم دیا۔ فرقہ واریت پھیلانے کی دوسری وجہ مُلا ہیں۔ کچھ مُلا اتنے ہوشیار ہیں کہ دنیاوی مقاصد کو پانے کے لیے سیاسی لیڈر بن بیٹھتے ہیں ایسا کرنے سے انہیں اچھا روزگار نصیب ہوتا ہے۔ معاشرے میں بھی شہرت ملتی ہے لیکن اگر ایسے افراد سیاست میں دخل اندازی کریں تو دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ کسی بھی قسم کے سیاسی اور معاشرتی مسائل سے انہیں کچھ سروکار نہیں ہوتا ان سے کسی قسم کی صحت مند سیاست کی توقع نہیں کی جاسکتی۔(۸)

ان وجوہ کی بنا پر مسلمان تنگ نظری کا شکار ہوگئے تنگ نظری کی وجہ سے اسلام کا تصورِ خدا کائنات کی بجائے محدود کر دیا گیا جس اسلام نے محبت کو عام کرنے کا درس دیا اور رحم و عدل کو وسیع کرنے کا حکم دیا تھا محدود اور تنگ نظر علما کی وجہ سے نفرت کا شکار ہو گیا۔ نفرت اس قدر پھیلا دی گئ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ نماز پڑھنا ناجائز قرار پایا۔ اگر کسی نے دوسرے فرقے کے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی اس کی بیوی پر طلاق واجب کر دی گئی۔(۹)

اورنگ زیب عالمگیر (۱۷۰۷ء۔۱۶۵۸ء) اور اس کا بھائی داراشکوہ کے مابین مذہبی اختلافات تھے جس کی وجہ سے تخت نشینی کی جنگ ہوئی تو اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے بھائی کو قتل کروادیا اور مغلیہ سلطنت کا مالک بن گیا نیز اس نے فرقہ وارانہ پالیسیاں بنائیں، تمام مذہب میں شراب نوشی پر پابندی لگادی گئی، اہل تشیع کے مذہبی اجتماعات پر پابندی تھی۔

مسلمانوں میں آپس میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے گئے یوں جس اسلام کی برکتوں سے فائدہ اٹھانا تھا اسی دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔ ہر فرقہ چاہتا تھا کہ مسند خلافت پر وہ بیٹھے۔

اقبال کے خیالات:

کسی بھی قوم کو ابھارنے کے لیے مختلف طرح کے علاج تجویز کیے جاتے رہے، کسی کے نزدیک مغربی تعلیم حاصل کرنے کو دین و دنیا کی کامیابی کی ضمانت سمجھا گیا تو کوئی روایتی دینی تعلیم کو راہِ نجات گردانتا رہا۔ ان میں سب سے مختلف نظریات یا خیالات ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) نے پیش کیے۔ اقبال کے نزدیک یہ تمام علاجِ زوال کے لیے غلط ہیں۔ اقبال نفسی مرض کو اصل مرض قرار دیتا ہے۔ کسی بھی ملت کا اصل مرض نفسی مرض ہے اگر یہ درست ہو گیا تو سمجھو سب درست ہو گیا۔ اقبال اس بات کا قائل ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی نفسی حالت آپ نہ بدلے مولانا ظفر علی خاں نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ زندگی کے بارے میں زاویہ نگاہ بدلنے سے انسان کی پوری زندگی بدل جاتی ہے۔ علم نفسیات کی بدولت انسان کو ان تمام رازوں کا ادراک ہوا جو آج سے چودہ سو سال پہلے ظاہر کیے گئے تھے۔ اقبال اس قوم میں انقلاب لانا چاہتا تھا جس کے لیے اس نے نہ تو سیاست کا سہارا لیا نہ معیشت نہ سائنس و جدید علوم و فنون۔ اقبال کو محسوس ہوا کہ یہ قوم نفسیاتی بیماری کا شکار ہے اسلامی زندگی کا جو تصور حضرت محمد ﷺ نے سکھایا تھا اس کو سرے سے فراموش کر کے اس کی جگہ غلط تصورات نے لے لی ہے۔(۱۰)

(الف)خودی کا تصور:

خودی کا لفظ فارسی زبان سے تعلق رکھتا ہے جس کا مطلب خود سری، خود مختاری وغیرہ ہے۔ اقبال کے نزدیک اس کا مطلب انانیت نہیں ہے بلکہ احساس غیرت مندی ہے یعنی اپنی انا کو شکست سے بچانا اور دوسروں کی مدد لینے کی بجائے اپنی مدد آپ کے تحت اپنا نام پیدا کرنا۔ اقبال اسے فلسفہ حیات کہتا ہے۔ اقبال کے ہاں سب سے بڑھ کر خودی کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اقبال نے سب سے زیادہ اسی موضوع پر لکھا۔ اقبال کا نظریہ خودی اپنے اندر وسیع معنی لیے ہوئے ہے۔ اقبال کی اپنے نظریہ خودی تک رسائی ان سوالوں کی تلاش کے نتیجے میں ہوئی؛ انسان کیا ہے؟ کائنات اور اس کی اصل کیا ہے؟ انسانی زندگی کیا ہے؟ کیا یہ زندگی کوئی وجود رکھتی ہے یا نظر کا فریب ہے؟ اور اگر یہ فریب ہی ہے تو اس کے پیچھے کیا ہے؟ اسی طرح کے نجانے کتنے سوالات تھے جن کے جوابات کی تلاش میں انسان شروع سے سرگرداں رہا ہے۔ قدیم یونانیوں نے اس کے جوابات یہ دیے کہ انسانی وجود ایک دھوکہ ہے۔ یونانیوں خصوصاً افلاطون سے متاثر ہو کر مشرق و مغرب کے حکماء وصوفیاء بھی اسی نظریے کے ہم خیال رہے جس کی وجہ سے انھوں نے کائنات سے محبت کو گناہ قرار دیا اور اسے فریب نظر کہا۔ کائنات کے وجود کی نفی کا یہ فلسفہ، کمزور اقوام کو شکست خوردگی سے بچاتا تھا اسی لیے انھوں نے اس کو بہت جلد قبول کر لیا۔ مسلمان بھی چونکہ سیاسی و معاشی بحران کا شکار تھے لہٰذا انھوں نے اس بے عملی کے فلسفے کو جلدی اپنا لیا۔

"اسرار خودی" اور "رموز بے خودی" میں اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے۔ اقبال انسان کو کسی دوسرے کے آگے ہاتھ پھیلانے سے روکتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی بھی دوسرے کے آگے ہاتھ پھیلانا باعث عیب ہے جس سے عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔

اقبال کا نظریہ خودی ان کے فلسفیانہ خیالات اور ان کی شاعری میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ خودی کا مطلب خود آگاہی، خود شناسی ہے۔ اقبال کے نزدیک کسی بھی انسان کی اصل طاقت اس کی خودی میں ہی پوشیدہ ہوتی ہے۔ خودی سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی ذات میں چھپی ہوئی صلاحیتوں کو پہچانے اور ان کو بروئے کار لائے۔ خودی کی مضبوطی کے لیے انسان کو اپنی خود اعتمادی، عزم، اور مقصد کی بلندی کو اپنانا لازمی ہے۔

اقبال کی نظر میں، خودی کو مستحکم کرنے سے انسان کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ وہ اجتماعی طور پر امت مسلمہ کے لیے مثبت کردار ادا کر سکتا ہے۔ اقبال کا نظریہ خودی انسان کو عمل کی ترغیب دیتا ہے، یہ ایک عملی فلسفہ ہے۔ اسی طرح اقبال کی شاعری میں خودی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

(ب) تعلیمی اہمیت:

اقبال نے باقاعدہ تعلیم کے عملی پہلوؤں کے بارے میں مختصر لکھا مگر اقبال کے افکار سے تعلیم کا ایک خاص تصور ذہن میں ضرور ابھرتا ہے جس کو اگر ترتیب دے دیا جائے تو ایک مدرسہ تعلیم کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ اقبال کے تعلیمی افکار کو مرتب کر بھی لیا جائے تب بھی ہر مرتبہ نئے زاویے سے نظر ڈالنے کی ضرورت بہر حال موجود رہتی ہے۔ تعلیم کا مسئلہ سادہ نظر آنے کے باوجود نہایت پیچیدہ ہے یہی پیچیدگی ہی اس کی دلچسپی کا ذریعہ ہے۔ تعلیم کے بارے میں اس وقت بہت سے نظریات موجود ہیں کچھ عقلی ریاضت کو تعلیم سمجھتے ہیں تو کچھ تعلیم کی اصل اس کی تربیت کو سمجھتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک علوم صرف دو ہی ہیں جن میں سے ایک کا تعلق ماضی سے تو دوسرے کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اقبال علوم کو عقل اور تجربے میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ ان کے نزدیک علم کی تکمیل میں یہ تینوں برابر کے حصے دار ہیں۔ اسی طرح وہ مادہ و روح کی علیحدگی کی بنیاد پر علوم کی تقسیم نہیں کرتا۔ اقبال کے نزدیک یہ تقسیم مغرب کی پریشاں خیالی کا نتیجہ ہے۔ اقبال خالی تفکر اور تعقل پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ اسے یقینی علم کے ایک سلسلے کی کڑی سمجھتا ہے۔ اقبال اسے ناقص اس لیے سمجھتا ہے کہ اس سے یقینی علم کا ذریعہ وجدان بھی ہے۔ وہ اس کو غیر اطمینان بخش

اس لیے سمجھتا ہے کہ سائنسی مشاہدہ اور تجربے کے بغیر یہ خیالی بحث و تکرار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اقبال سائنسی فلسفیوں کا ہمنوا ہے جو عقل کو کافی نہیں سمجھتے لیکن وہ سائنس کو بھی ناکافی سمجھتا ہے۔ اقبال کے نزدیک سائنس ایک قدم سے آگے رک جاتی ہے یہاں عقل اور ایمان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کائنات کے نظام کے کچھ قوانین ہیں اور ان کا ایک مقصد ہے اس کے اسرار کی دریافت کے لیے اگر پختہ یقین کے ساتھ قدم نہ بڑھایا جائے تو اس وقت تک دل میں یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی مقام پر پہنچ کر آئین سٹائن کو بھی اپنے مذہبی ہونے کا اقرار کرنا پڑا تھا۔(۱۱)

اقبال مجتمع سلسلہ علم کو ''دین'' کا نام دیتا ہے۔ اس کے نزدیک دین ہی وہ علم ہے جو خدا، کائنات اور انسان پر مشتمل ہے اور ان تینوں کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کا کوئی علم بھی ایسا نہیں جو دین، حکمت اور سائنس کو ایک مضمون کی حیثیت سے دیکھتا ہو۔ آئن سٹائن کی فزکس نے یہ بات واضح کر دی کہ مذہب (خدا شناسی) اور سائنس کے درمیان فاصلے بہت کم ہیں۔ اقبال اسی تصور کا قائل ہے وہ دین، عقل اور تجربے کے ملاپ کو اہمیت دیتا ہے کیوں کہ اس سے حقیقتوں کا صحیح ادراک ممکن ہے۔ اس علم کا تعلق حال اور مستقبل سے ہے۔ اقبال ماضی کے علم کو بھی بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ کیوں کہ تغیر و ارتقاء زندگی کا حصہ ہے انسان اس سے بری نہیں ہے۔ ارتقا کے ہر عمل میں زندگی کی سابقہ صورتیں بھی ضرور کارفرما رہتی ہیں کیوں کہ تسلسل زندگی کا حصہ ہے اور یہ ماضی کے علم کے بغیر ممکن نہیں۔ اقبال کے تصورات میں ماضی کے علم یعنی تاریخ و روایات کو خاص جگہ دی گئی ہے۔ اقبال ماضی کو اہمیت دیتا ہے مگر وہ ماضی سے سبق حاصل کرنے کے لیے اس علم کو اہم سمجھتا ہے نا کہ ہر وقت ماضی میں رہنے کو۔ اقبال ملت کی تنظیم کے لیے ماضی کو ضروری خیال کرتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال ادب و فن کو کیا مقام دیتا ہے؟ اقبال کا تصور فن تھوڑا مختلف ہے اقبال حُسن کو فن کا معیار نہیں سمجھتا بلکہ حیات کو فن کا معیار سمجھتا ہے۔ وہ ایسے حُسن کو اہمیت دیتے ہیں جو جارحانہ ہو۔ جمال کی جلوہ گری، جلال کے پیکر میں لپٹی ہوئی ہو۔ لطیف حُسن اقبال کو کچھ خاص پسند نہیں اسی لیے وہ حُسن کا معیار زندگی اور قوت کو دیتے ہیں اور وہ فن کو ادراک حُسن اور تخلیق حُسن کا نام دیتے ہیں۔ وہ اس فن کو درست سمجھتے ہیں جو قوت اور زندگی کی ترجمانی کرتا ہے اور زندگی کی آرزو میں اضافہ کرتا ہے جو اس معیار پر پورا نہیں اترتا وہ فن نہیں ہے۔ اسی طرح موسیقی اور مصوری میں سے اقبال مصوری کو اہمیت دیتے ہیں۔ موسیقی میں حرکت کا عنصر زیادہ ہے اور حرکت زندگی کی علامت ہے۔ اقبال علم دین کو سب علوم پر فوقیت دیتے ہیں کیوں کہ یہ مذہب، فکر و عقل اور مشاہدہ و تجربہ کے سب فنون یعنی حکمت جس میں فلسفہ و سائنس شامل ہیں یہ سب آ جاتے ہیں۔ اقبال سب علوم کا خلاصہ اسی کو قرار دیتے ہیں۔ وہ دوسرے علوم کو بعد کا درجہ دیتے ہیں۔ اقبال کے تصوارت تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ ہندوستان و پاکستان میں رائج تعلیمی نظام سے نالاں ہیں۔ وہ انگریزی طرز کے نظام تعلیم کو تنقید کا نشانہ بناتے نظر آتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک انگریزی طرز تعلیم ضرورت سے زیادہ تعقل زدہ ہونے کے ساتھ ساتھ عملی تجربے سے خالی ہے، اس میں صرف نظریات کی تکرار ہے جو جستجو، یقین اور تجربے سے خالی ہیں۔ یہ طرز تعلیم مغرب کی روحانی و فکری جدوجہد کی پیداوار ہے۔ علم کی تعریف دیکھی جائے تو علم وہ ہے جو تجربے اور عمل سے ثابت ہو اور نافع بھی ہو۔ قرآن مجید میں بھی علیم و حکیم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ حکمت میں عمل کو لازمی جزو قرار دیا گیا ہے۔ وہ انگریزی تصور تعلیم کی مخالفت اسی لیے بھی کرتے ہیں کہ اس سے طلبہ میں خودی کا عنصر ختم ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں نے انسانی ترقی اور علوم میں جو حصہ لیا تھا اس سے ہمارا نوجوان غافل ہے اور آئندہ کے لیے اس کے احیا سے شکست خوردہ بھی ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ نظام تعلیم خام تعقل پیدا کرتا ہے اور عمل و تجربے سے خالی ہے۔ اقبال کے نزدیک تعلیم کا اصل مقصد تسخیر کائنات کی استعداد کو بڑھانا ہے۔ اس میں روح اور جسم کی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے۔ تعلیم کا مقصد ایسے افراد پیدا کرنا ہے جو صحت مند معاشرے کی تخلیق کر سکیں۔(۱۲)

اقبال کا نظریہ تعلیم میں تعلیم کا مقصد صرف معلومات کا حصول نہیں ہے بلکہ کسی بھی انسان کی فکری و عملی تربیت اور اس کی شخصیت کی تعمیر ہے۔ تعلیم ہی وہ ذریعہ ہے جس سے خودی کی پہچان ممکن ہے۔ تعلیم انسان کو خودی یعنی اپنی ذات کی پہچان عطا کرتی ہے، عرفان ذات سے انسان اپنی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو پہچانتا ہے اور انہیں عملی زندگی میں بروئے کار لاتا ہے۔ تعلیم سے انسان روحانی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار سے روشناس ہوتا ہے۔ اقبال جدید علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک تعلیم سے ایسے انسان پیدا کرنا ہے جو معاشرے کی فلاح و بہبود کرے اور خود بھی باشعور ہو۔ اقبال بھی مرد وزن دونوں کی تعلیم کو ضروری سمجھتے ہیں۔

(ج) اجتماعی سوچ:

انسانوں کا ایسا اجتماع جس میں وحدت کے کچھ جذباتی یا عقائداتی اسباب موجود ہوں اور وہ مل کر رہنے پر متفق ہوں، قوم کہتے ہیں۔ رنگ، نسل، ثقافت اس وحدت کی بنیاد ہیں۔ اصطلاح میں اسے نیشنلزم کہا جاتا ہے۔ اقبال کا قومیت کا تصور بہت مختلف ہے۔ اقبال قومیت کی تعمیری و حقیقی اساس توحید اور اخوت کو قرار دیا جس کو مستحکم رسالت و نبوت نے کیا۔ جغرافیہ یا زبان و نسل کسی بھی طرح تعمیری اساس نہیں بن سکتے۔ اقبال کے اس تصور پر بہت زیادہ تنقید ہوئی کچھ نے اقبال کو وطنیت کا مخالف مانا۔ اقبال وطنیت کے مخالف نہیں تھے بلکہ وہ مغربی تصور وطنیت کے مخالف تھے۔ اقبال روحانی عقیدے کی بجائے، وطن کی برتری کے مغربی تصور سے اختلاف رکھتے تھے۔ اقبال وطن اور عقیدے کے کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں۔ ایک کو دوسرے سے الگ کرنے کو وہ خطرناک قرار دیتے ہیں۔ اقبال کی نظر میں زمین کا ایسا ٹکڑا جسے عقیدوں کا نخلستان بنایا ہوا ہو اسکی حفاظت اور محبت ایمانی ہے۔ ارشاد نبوی میں جسے وطن کہا گیا ہے اس سے اقبال محبت کرتے ہیں۔ اقبال ایسی سرزمین جس میں ان کے عقیدے غیر محفوظ ہوں یا چھین لیے جائیں وہاں عقیدوں کی بازیافت کے لیے جہاد کو فرض قرار دیتا ہے۔ (۱۳)

اقبال کی نظر میں نسلیت کو بہت بڑا فتنہ قرار دیا گیا ہے اور لسانی بنیادوں پر قائم ہونے والی قومیت کو بھی پسند نہیں کرتے۔ اقبال کے نزدیک سب زبانیں خدا کی پیدا کردہ ہیں ان کو بت بنا کر ایسی قومیت جس میں مسلمانوں میں تفریق کا اندیشہ ہو، قابل قبول نہیں۔ (۱۴)

اقبال مسلم امت کی اجتماعی سوچ کے خواہاں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ تمام مسلمان قومیت و وطنیت سے آزاد ہو کر ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزاریں۔

تاریخی تناظر:

مسلمانوں کے زوال کے تاریخی اسباب میں درج ذیل عوامل غور طلب ہیں جس کی وجہ سے مسلم دنیا مختلف ادوار میں زوال پزیر ہوئی۔ ان اسباب کا تعلق سماجی، سیاسی، اقتصادی اور فکری پہلوؤں سے ہے۔ سب سے پہلے مسلم دنیا میں سیاسی استحکام کی کمی تھی مثال کے طور پر خلافت کے ابتدائی ادوار کے بعد سے ہی خانہ جنگیاں اور سیاسی اختلافات عام ہو گئے۔ اسلامی سلطنت کے ادوار چاہے وہ عباسی، اموی اور فاطمی ہو خلفاء کے درمیان لڑائیاں اور بعد میں سلجوقوں، مملوکوں اور عثمانیوں کے درمیان اندرونی لڑائیاں ہوں ان سب نے مل کر مسلم دنیا کو کمزور کر دیا۔ اسی طرح مسلم دنیا میں جب تک علمی ترویج تھی تب تک خوشحالی اور ترقی بھی موجود تھی جیسے ہی مسلمانوں علم سے غافل ہوئے اور اجتہاد کے دروازے بند کیے، علمی زوال شروع ہو گیا۔ علم و تحقیق کے میدان میں بھی نقصان ہوا کیوں کہ اندلس اور بغداد کے علمی مراکز بند ہو گئے۔

مسلم تاریخ میں فرقہ واریت اور سماجی تقسیم بھی زوال کا باعث بنی۔ مسلم معاشرے فرقہ واریت کا شکار ہو کر اتحاد، اخوت، رواداری، بھائی چارہ اور ایثار کو بھلا بیٹھے۔ باہمی اختلافات شروع ہونے سے اسلامی معاشرہ تقسیم ہو کر رہ گیا۔ نااتفاقی نے جنم لیا تو دشمنوں کو اندرونی کمزوریوں کا علم ہو گیا جس کا انھوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ مسلم زوال کے اسباب میں سے ایک استعماری قوتوں کا عروج بھی تھا۔ ان قوتوں کی مسلم معاشروں میں بے

جامد اخلت نے مسلم حکومتوں کو کمزور کر دیا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں برطانیہ، فرانس اور دیگر استعماری قوتوں نے مسلم ریاستوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ مسلم معاشروں کی معیشت اور سیاست ان کے کنٹرول میں چلی گئی۔

اسلامی معاشرے میں موجود فکری جمود بھی ایک اہم وجہ بنی۔ مسلمانوں نے فلسفہ، سائنس اور دیگر علوم میں نام کمایا لیکن بعد کے ادوار میں ان کی فکر میں جمود عود کر آیا انھوں نے کسی بھی قسم کی تبدیلی کو اپنانے سے گریز کیا۔ پرانے علم پر ہی اکتفا کیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ زوال کا شکار ہوئے۔ تعلیمی اور اخلاقی زوال بھی مسلم شکست خوردگی کا باعث بنے۔ تعلیمی معیار گرنے سے معیاری افراد کی پیداوار کم ہوئی۔ مسلمان علمی اور اخلاقی زوال کا شکار ہوئے جس سے ان کی سیاسی و معاشرتی زندگی تباہ ہو گئی۔

اقتصادی کمزوری بھی زوال کا باعث بنی تجارتی راستوں کا انقطاع، مغربی طاقتوں کا معاشی تسلط اور منظم اقتصادی نظام کی کمی کی وجہ سے مسلمان اقتصادی بحران کا شکار ہوئے۔ مذہبی عقائد میں انتہا پسندی اور تقلیدی انداز اپنایا گیا۔ فکری آزادی اور اجتہاد کی حوصلہ شکنی کی گئی جس سے معاشرہ میں بے چینی، شکست خوردگی اور ترقی میں کمی واقع ہوئی۔ الغرض یوں تو مسلم دنیا کے زوال کے اسباب بہت سارے ہیں مگر ان سب میں جو اسباب نمایاں ہیں وہ اتحاد،، علم اور اجتہاد کی اہمیت کو نظر انداز کرنا ہے۔ مسلمانوں نے ان تمام عوامل کو نظر انداز کیا جس کی وجہ سے انہیں شکست خوردگی کا سامنا کرنا پڑا۔

اقبالیاتی تناظر:

مسلمانوں کے زوال کے اسباب اقبال کی فکر کی روشنی میں بیان کیا جائے تو اس میں بھی کئی پہلو شامل ہو جاتے ہیں۔ اقبال مسلمانوں کے زوال کے اسباب سے آگاہ بھی تھے اور وہ مسلمانوں کے عروج کے خواہاں بھی تھے۔ اقبال کی نظر میں زوال کے اسباب میں سے ایک سبب مسلمانوں میں خودی کا فقدان تھا۔ خودی کا مطلب اپنی ذات کی پہچان اور اپنی قابلیت کا ادراک ہے۔ جب بھی کوئی قوم خودی کو بھول جاتی ہے تو وہ خود کو شکست خوردہ سمجھ لیتی ہے اور یہی سے اس قوم کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ مسلم دنیا کے زوال کے اسباب میں بھی یہ ایک اہم سبب ہے۔ اس کے ساتھ اقبال کے نزدیک مسلمانوں میں روحانیت کا فقدان تھا جس نے ان کی داخلی قوت کو کمزور کر دیا۔ روحانیت کی کمی سے مسلمان اپنی شناخت اور مقصدیت بھول گئے اور دین کی اصل روح سے نابلد ہو کر مختلف رسوم کو اپنا لیا اور ظواہر پر زیادہ زور دیتے رہے یوں وہ زوال کا شکار ہو گئے۔ اقبال کے نزدیک عقل اور عشق کی کمی بھی مسلمانوں کے زوال کا سبب ہے۔ اقبال عشق کو ایک متحرک عمل سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک عقل مسائل کو سمجھنے میں تو مدد دیتی ہے مگر عشق انقلاب برپا کرتا ہے۔ عقل و عشق کی کمی سے مسلم دنیا زوال پزیر ہوئی۔

اجتہاد کو اقبال لازمی جزو سمجھتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک اجتہاد کی کمی کی وجہ سے مسلم دنیا زوال کا سبب بنی۔ اقبال دین کو موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق تشریح اور ترویج کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ مسلمان اجتہاد کی کمی کی وجہ سے ماضی میں قید ہو کر رہ گئے ہیں اسی وجہ سے وہ نئے دور کے چیلینجز کا سامنا کرنے سے قاصر ہیں۔

سیاسی غلامی، غیر ملکی تسلط نے مسلم دنیا کی خودی اور عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی ہے جس کی وجہ سے وہ زوال پزیر ہیں۔ اقبال سیاسی آزادی کے خواہاں ہیں۔ اقبال ملت اسلامیہ کے اتحاد کی کمی کو بھی زوال کا سبب گردانتے ہیں مسلم اقوام مختلف گروہوں میں بٹ گئی ہے جس سے ان کی اجتماعی قوت کمزور ہو کر رہ گئی ہے۔ اور وہ اختلافات کا شکار ہونے کی وجہ سے اپنی طاقت کو برباد کر رہے ہیں۔ غرض اقبال کے فکری پہلوؤں میں شکست خوردگی کا علاج روحانی بیداری، اجتہاد کا احیاء اور خودی کی تعمیر میں مضمر ہے۔

مسائل اور حل

(الف) تعلیمی اصلاحات:

حکومت کو چاہیے کہ نسل نو میں روایتی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کا بندوبست بھی کرے۔ جہاں نسلِ نو میں اسلامی علوم نہایت ضروری ہیں وہیں جدید دنیا میں رہنے کے لیے جدید علوم سیکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم فراہم کریں۔ مدرارس میں طلبا صرف دینی تعلیم پڑھ رہے ہوتے ہیں حکومت کو چاہیے کہ مدارس میں جدید تعلیم کا بندوبست کرے تا کہ مدارس کے طلبا بھی جدید دنیا کی برابری کر سکیں۔ جدید مضامین کی تعلیم دی جائے۔ جدید تعلیمی نظام لایا جائے۔ ای لرننگ کو فروغ دیا جائے۔ حکومت کو چاہیے کہ تحقیق کے ادارے قائم کیے جائیں تا کہ نسل نو تحقیق کے میدان میں ترقی کر سکیں۔ نسل نو میں تحقیقی فقدان ہی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ تحقیق کی با قاعدہ تربیت دی جائے۔ تحقیقی منصوبے قائم کیے جائیں۔ تعلیمی مساوات کا خاص خیال رکھا جائے۔ تعلیم کو غریب یا پسماندہ علاقوں تک رسائی کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے جائیں۔ تعلیمی اداروں کو دیہاتی علاقوں میں قائم کیا جائے۔ کالج، یونی ورسٹیوں کو شہروں کے ساتھ ساتھ دیہاتی علاقوں میں بھی تعمیر کیا جائے تا کہ غریب کا بچہ بھی تعلیم حاصل کر سکے۔ یونی ورسٹیوں کی کمی کی وجہ سے دور دراز علاقوں کے طلبا تعلیم کے لیے بسوں کے دھکے کھا رہے ہوتے ہیں ان کو مختلف مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے نوجوان نسل تعلیم پر توجہ دینے کی بجائے مسائل میں ہی الجھ کر رہ جاتی ہے۔ دور دراز علاقوں سے آئے نوجوان اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے پریشان ہوتے ہیں ایسی صورت میں جب وہ ناکام ہوتے ہیں تو دل برداشتہ ہو کر تعلیم چھوڑ کر معاش کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ یونی ورسٹی یا کالج کے طلبا کے لیے بھی وظائف مقرر کرے تا کہ ان کو معاشی مسائل کی وجہ سے تعلیم سے محروم نہ ہونا پڑے۔ اس سلسلے میں مختلف این جی اوز کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ نصاب میں تاریخ اسلامی اور نامور شخصیات کے کارنامے بھی شامل حال کیے جائیں۔ اسلامی شخصات کے کردار کو بھی بیان کیا جائے۔ نصاب میں بات چیت کی مہارت کو بھی شامل کیا جائے۔ نوجوانوں میں پروفیشنل رویوں کی تربیت کا آغاز کیا جائے۔ پیشہ ورانہ تعلیم کو نصاب میں شامل کیا جائے۔ پرانے علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ پہلی جماعت سے ہشتم تک علامہ اقبال کی کتب بھی شامل نصاب ہوں۔ تا کہ نسلِ نو اپنے قومی شاعر کی شاعری کو سمجھ سکیں اور مغربی چال بازیوں سے بچ سکیں۔ نہم و دہم کے نصاب میں بے مقصد شاعری کی بجائے علامہ محمد اقبال کی کتب میں سے اشعار شامل کیے جائیں تا کہ طلبا اپنے مستقبل کے بارے میں سنجیدہ ہوں۔ نصاب انگریزی کی بجائے اردو میں بنایا جائے تا کہ نسلِ نو رٹہ کی بجائے سمجھ کر تعلیم حاصل کریں اور عملی میدان میں ترقی کریں۔ دینی مدارس میں جدید تعلیم کا نصاب بھی شامل کیا جائے۔ جدید ٹیکنالوجی کی تربیت بھی دینی مدارس میں دی جائے۔ نسل نو میں اخلاقیات، خدمتِ خلق کے جذبات کے ساتھ ساتھ دیانت داری کو فروغ دیا جائے۔ تعلیمی میدان میں بہتری کے لیے فنڈز اکٹھے کیے جائیں اور ان فنڈز سے غریب طلبا و طالبات کی مدد کی جائے۔ عالمی معیار کی جامعات بنائی جائیں جس میں سائنس، ٹیکنالوجی اور تحقیق کی تعلیم دی جائے۔ ان تمام باتوں سے واضح ہے کہ تعلیمی میدان میں بہتری ہی نسل نو میں شکست خوردگی کو کم کرنے کے ساتھ ساتھ فکری و عملی کامیابی کی ضامن ہے۔

(ب) سیاسی استحکام:

سیاسی طور پر مستحکم ہونے سے کوئی بھی قوم ترقی اور خوشحالی کی طرف گامزن ہو سکتی ہے۔ اسلامی دنیا میں سیاسی طور پر استحکام حاصل کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کرنا بے حد ضروری ہے۔

سب سے پہلے اسلامی ریاست میں جمہوریت کا فروغ اور شفاف انتخابات ہوں۔ انتخابات کا غیر جانبدار ہونا ضروری ہے۔ عوامی نمائندے منتخب شدہ ہوں گے تو عوام کا حکومت پر اعتماد بحال ہو گا۔ عوامی اعتماد کے ساتھ ہی حکومت کو سپورٹ مل سکتی ہے۔ عوامی سپورٹ کی وجہ سے حکومتی ادارے مستحکم ہوتے ہیں۔ جبکہ انتخابات کا غیر جانبدار ہونا عوامی اعتبار کا قتل ہے۔ عوام میں مکالمے کو فروغ دینا چاہیے تاکہ حکومت وقت سے عوام مکالمہ کر سکے۔ مکالمے سے حکومت عوامی مسائل سے آگاہ ہوتی ہے۔ عوام کو اظہار رائے کی آزادی دینا بھی نہایت ضروری ہے۔ عوام کو حکومت پر تنقید یا تعریف کرنے کا حق ہو گا تو ہی عوام کا اعتماد بحال ہو گا۔ مکالمے کی کمی یا اظہار رائے کی آزادی نہ ہونے سے حکومت اور عوام کے درمیان نامحسوس نفرت کی دیوار کھڑی ہو جاتی ہے جس سے بغاوت جیسے واقعات جنم لیتے ہیں۔ حکومت اور عوام کا مل جل کر مسائل کو مشاورت کے ذریعے حل کرنا ہی مستحکم سیاسی ماحول بناتا ہے۔

سیاسی استحکام کے لیے عدلیہ کا آزاد ہونا بھی ضروری ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں آج بھی عدلیہ آزاد ہے۔ عدلیہ پر حکومتی دباؤ انصاف کا خاتمہ کرتا ہے۔ انصاف کی بالادستی کے لیے عدلیہ کو فیصلوں میں آزادی کا حق دیا جائے۔ قانون کی بالادستی سے عوام کا نظام پر اعتماد بحال ہوتا ہے۔ غریب انسان کو جب یہ یقین ہوتا ہے کہ مجرم چاہے جتنا بھی بڑا ہو عدالت کے فیصلے سے بچ نہیں سکتا تو وہ کسی بھی قسم کے جرم کا مرتکب نہیں ہو گا۔ عوام اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھے گی تو وہ اداروں پر اعتماد کرنے سے کترائے گی۔

کرپشن کے خاتمے کے لیے حکومتِ وقت مناسب اقدامات کرے۔ ایک ایسا مضبوط نظام بنایا جائے جہاں کرپشن کے خاتمے کے لیے شفافیت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ چاہے کرپشن چھوٹی ہو یا بڑی انصاف سے کام لیا جائے۔ عوامی خدمت میں بھی حکومت کو توجہ دینی چاہیے۔ عوامی ضروریات جیسی صحت، روزگار اور تعلیم جیسے مسائل پر توجہ دینی چاہیے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ سماجی تفریق کا خاتمہ کرے تمام طبقات کے بسنے والوں کو برابری کی بنیاد پر مواقع فراہم کرے۔ مسلم کے ساتھ ساتھ غیر مسلم کے حقوق کا تحفظ کرے۔ کسی بھی شخص کو اجازت نہ دے کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ ظلم یا زیادتی کر سکیں۔ ہر مذہب کے ماننے والے کو تحفظ فراہم کرے۔ حکومت اقتصادی منصوبے کی طرف توجہ دے ایسے منصوبے جو بے روزگاری کو ختم کر سکیں۔ سماجی فلاح کے ان منصوبوں کی طرف دھیان دے جو غربت کو کم کرنے میں مدد کریں۔ ملکی اور غیر ملکی سرمایہ داروں کو اعتماد میں لے کر معیشت کو مضبوطی فراہم کرے۔

تعلیمی شعور پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔ تعلیمی اور سیاسی شعور کی بیداری کے لیے تعلیمی نظام میں بہتری لائی جائے۔ اس مقصد کے لیے میڈیا اور سماجی تنظیموں کی خدمات لی جائیں۔ سیاسی شعور کی بیداری سے ووٹ کے استعمال میں تبدیلی آئے گی نیز عوام ایک باشعور انسان کا انتخاب بھی کر سکیں گے جس سے ملک ترقی کرے گا۔

مذہبی ہم آہنگی کا شعور بھی پیدا کرنا ضروری ہے۔ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ بین المسالک اور بین المذاہب مکالمے سے ممکن ہے۔ علما اور رہنماؤں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر بلایا جائے ان سے بات چیت کے ذریعے مسلکی منافرت کا خاتمہ ممکن ہے۔

حکومتی اداروں کو غیر سیاسی بنایا جائے۔ حکومتی ادارے غیر سیاسی ہوں گے تبھی وہ آزادانہ طور پر اپنے فرائض سرانجام دے سکیں گے۔ فوج، انتظامیہ، عدلیہ کو غیر سیاسی ہونا چاہیے۔ تمام رنگ، نسل کے لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کے لیے ایک قومی بیانیہ تیار کیا جائے۔ قیادت کے انتخاب میں دیانت داری، میرٹ اور صلاحیت کو بنیاد بنا کر انتخابی عمل لایا جائے۔

(ج) سماجی انصاف:

سماجی انصاف سے مراد ایک ایسا معاشرہ جس میں تمام افراد کو مساوی حقوق، مواقع، وسائل کی منصفانہ تقسیم اور مساوی سلوک کیا جائے۔ ایسے معاشرے کا مقصد معاشرے سے ان تمام برائیوں کا خاتمہ کرنا ہے جو افراد میں تعصب، عدم مساوات اور ناانصافی کو جنم دیتی ہوں۔ ایسے معاشرے میں ہر فرد ایک بہترین زندگی گزارتا ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جب حکومتِ وقت مناسب اقدامات کرے۔ حکومت کو چاہیے کہ افراد میں مساوات قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ عوام کو مساوی حقوق حاصل ہوں۔ انسانی حقوق کا تحفظ کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ بنیادی حقوق جیسا کہ صحت، جان ومال وغیرہ کا تحفظ یقینی بنایا جائے تاکہ تمام افراد ایک پر سکون زندگی گزار سکیں۔ حکومتِ وقت کو چاہیے کہ معاشی انصاف یعنی کہ دولت اور وسائل کی بھی منصفانہ تقسیم عمل میں لائے۔ منصفانہ تقسیم سے غربت پر آسانی سے قابو پایا جا سکتا ہے۔ غربت کے خاتمے سے طبقاتی فرق کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ صنفی مساوات کو یقینی بنانا بھی حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے۔ مردوں اور خواتین کو برابری کی بنیاد پر مواقع فراہم کیے جائیں۔ خواتین کو کسی طور کم نہ سمجھا جائے۔ خواتین کے لیے گھر بیٹھے روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ دیہی علاقوں میں بیٹھی خواتین بھی معاشی طور پر مستحکم ہو سکیں۔ اس سلسلے میں مناسب اقدامات کے لیے غیر ملکی فنڈز اکٹھے کیے جائیں۔ مختلف علاقوں کی ثقافت کی حفاظت کرنا اور احترام کرنا حکومتِ وقت کا فرض ہے۔ ثقافتی پروگراموں کا انعقاد کرایا جائے جس میں ملک کے تمام علاقوں سے افراد کو مدعو کیا جائے تاکہ ملک میں امن وامان کی فضا کو فروغ حاصل ہو سکے۔ سماجی انصاف بڑھانے کے لیے درج ذیل طریقے استعمال کیے جائیں۔ سب سے پہلے تعلیم کو ہر جگہ رسائی دی جائے۔ تعلیمی ادارے ہر علاقے میں قائم کیے جائیں۔ پسماندہ علاقوں میں تعلیم کو مفت کیا جائے۔ تعلیم کے فروغ کے لیے آگاہی مہم چلائی جائے تاکہ افراد میں تعلیمی شعور بیدار ہو سکے۔ اس کے بعد ایسے قوانین بنائے جائیں جن سے امتیازی سلوک کا خاتمہ ممکن ہو۔ کمزور طبقات کی مدد کے لیے بھرپور کوششیں کی جائیں۔ کمزور افراد کو صحت، رہائش، روزگار کی سہولیات کو مفت کیا جائے۔ لوگوں میں برابری کے شعور کو بیدار کرنے کے لیے مختلف نامور علما کی مدد لی جائے۔ اساتذہ کو بھی اس کاوش کا حصہ بنایا جائے تاکہ افراد میں طبقاتی تفریق ختم ہونے کے ساتھ ساتھ برابری کا شعور پیدا ہو سکے۔ اسلام میں بھی سماجی انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ اسلامی نقطہ نظر سے معاشرے میں عدل وانصاف، مساوات، حقوق العباد کا فروغ یقینی بنائے تاکہ ملک میں صحت مند افراد پیدا ہوں جو ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد بن سکیں۔

نتائج:

درج بالا بحث سے یہ بات واضح ہے کہ نسلِ نو میں جذبہ شکست خوردگی کا تعلق بیرونی عوامل کے ساتھ ساتھ اندرونی کمزوریوں سے ہے۔ مسلم عروج کے ادوار میں اتحاد، کردار اور علم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مسلم عروج بھی ان تینوں کی بنیاد پر قائم تھا۔ نسلِ نو میں جذبہ شکست خوردگی ایک دن کی کہانی نہیں ہے بلکہ یہ عرصہ دراز پر مشتمل مسلمانوں کی دینِ اسلام سے دوری کا نتیجہ ہے۔ مسلمان ظاہری عبادات کی ادائیگی کرتے ہیں جبکہ روحانی طور پر اخلاق، انصاف کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں۔ ماضی کا مسلمان روحانی طور پر مضبوط تھا، اس کے ساتھ تعلیم وتحقیق میں غیر ممالک سے پیچھے ہے جبکہ ماضی میں علم وتحقیق میں ترقی کی وجہ سے مسلمانوں کو عروج نصیب ہوا۔ ٹیکنالوجی اور سائنسی علوم کی بجائے وہی روایتی علوم پر گزارا کیا جا رہا ہے۔ آج کا نوجوان فرقہ واریت میں گھرا ہوا ہے۔ اتحاد کی کمی ہی اصل جڑ ہے جس کی وجہ سے مسلمان کمزور ہو کر رہ گئے ہیں اور اس بات کا دشمن ممالک ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ایمان داری اور دیانت کو چھوڑ کر لالچ، بدعنوانی بھی نسلِ نو کی شکست خوردگی کا باعث ہے۔ مسلم حکمران عیش وعشرت کی زندگی میں مگن ہیں انہیں حکمرانی کے اصول سے کچھ لینا دینا نہیں ہے بلکہ وہ اپنی نااہلی کے سبب اندرونی

اختلافات کا شکار ہیں۔ بیرونی حملہ آور بھی ان کی نااہلی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ سیاسی عدم استحکام بھی نسل نو میں شکست خوردگی کا باعث ہے۔ اقبال نے نسل نو میں جذبہ شکست خوردگی کے جو عوامل بیان کیے ہیں ان کو دور کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ مسلمان اس زوال سے کبھی چھٹکارا حاصل نہیں کر سکیں گے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلم نوجوان اپنے اندر تبدیلی لائیں اور اتحاد، تحقیق اور کردار کو مضبوط کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف۔"اقبال اور عصری مسائل"۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۵ء، ص:۵۳

۲۔ کیرن آرمسٹرانگ۔"مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال"۔ (مترجم: محمد احسن بٹ)، لاہور:برائے نگارشات پبلیشرز، ۲۴۔ مزنگ روڈ ، ص:۱۴۷

۳۔ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف۔"اقبال اور عصری مسائل"۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۵ء، ص:۱۲۰

۴۔ایضاً، ص:۱۲۰

۵۔ایضاً، ص:۱۶۰

۶۔ایضاً، ص:۱۲۱

۷۔ایضاً، ص:۱۵۲

۸۔ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔"فکرِ اقبال"۔لاہور:بزم اقبال، ص:۱۱۲

۹۔ایضاً، ص:۱۱۳

۱۰۔ایضاً، ص:۱۲۷

۱۱۔ڈاکٹر سید عبداللہ۔"مسائلِ اقبالؒ"۔لاہور:مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، اشاعت دوم،(۱۹۸۷ء)، ص:۱۸۴

۱۲۔ایضاً

۱۳۔ایضاً، ص:۳۴۴

۱۴۔ایضاً، ص:۳۴۵

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Dr. Kaneez Fatima Yusuf, “Iqbal aur Asri Masaail”, Lahore: Sangmeel Publications, 2005, p: 53
2. Karen Armstrong. “Muslimoon ka Siayasi Urooj o Ziwal”. (Translator: Muhammad Ahsan Butt), Lahore: For Nigarshat Publications, 24,Mazang Road, p:147
3. Dr. Kaneez Fatima Yusuf. “Iqbal aur Asri Masaail”. Lahore: Sangmeel Publications, 2005,p:120
4. Ibid, p:120
5. Ibid, p:160
6. Ibid, p:121
7. Ibid, p:152
8. Dr. Khalifa Abdul Hakim, “Fikr-e-Iqbal”, Lahore: Bazm-e-Iqbal,p: 112

9. Ibid, p:113
10. Ibid, p:127
11. Dr. Syed Abdullah. “Masaail-e-Iqbal”. Lahore: West Pakistan Urdu Academy, Second Edition, 1987, p: 184
12. Ibid
13. Ibid, p: 344
14. Ibid, p: 345